MIRZA Jamaal HAMZA

سلسلہ مطبوعات (۶۰)

عزیمت

سیریز نمبر 7

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

عزیمت

پرچہ نمبر ۲

زیر سرپرستی

مفکر کتاب و شریعت شیخ تزکیہ و طریقت
رہبر سیاست و عزیمت داعی شعور و حکمت
حضرت مولانا
شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی
مسند نشین
خانقاہ عالیہ رحیمیہ قادریہ عزیزیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدیر اعلیٰ
ڈاکٹر مفتی
سعید الرحمن

مدیر
مولانا مفتی
عبدالخالق آزاد

محترم جناب محمد اسلوب قریشی

محترم سید اصغر علی شاہ بخاری

ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی

مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی

مولانا محمد مختار حسن

پیش کش

امام شاہ ولی اللہ کے افکار ــــــ مقبول عالم (مرحوم) ــــــ ۳

نظریہ بقاء اصلح ــــــ مولانا محمد تقی امینی ــــــ ۱۹

خانقاہ عالیہ رائے پور ــــــ مفتی سعید الرحمن ــــــ ۳۶

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

امام شاہ ولی اللہ کے افکار

(ایک اجمالی جائزہ)

نام: قطب الدین احمد المعروف بہ شاہ ولی اللہ دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ)

سلسلۂ نسب: والد کی طرف سے سیدنا فاروق اعظمؓ اور والدہ کی جانب سے حضرت موسیٰ کاظمؒ تک یعنی آپ والد کی طرف سے فاروقی اور والدہ کی جانب سے کاظمی تھے

والد کا نام اور تعارف: شیخ عبدالرحیم دہلوی وجیہ الدین العمری بہت بلند پایہ حنفی فقیہ نقشبندی صوفی اور علوم رسمیہ و حکمیہ اور الٰہیات کے ماہر تھے۔ آپ حافظ عبداللہ اکبرآبادی کے مرید تھے جو شیخ آدم بنوری کے خلیفہ تھے اور شیخ آدم بنوری حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے اکابر خلفاء میں سے تھے شیخ عبدالرحیم نے ایک موقع پر سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے مشہور مجموعہ قوانین (فتاویٰ عالمگیری) کی تالیف میں بھی حصہ لیا تھا۔ علماء کی تعلیم کے لئے آپ نے دہلی میں ایک مدرسہ بنام "مدرسہ رحیمیہ" جاری کیا ہوا تھا۔

پیدائش: بروز چہار شنبہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء۔ یہ بارھویں صدی ہجری اور اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتدا تھی۔ اس صدی سے تاریخ عالم میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

تعارف: آپ اس نئے دور کے فاتح (افتتاح کرنے والے) اور مجدد تسلیم کئے جاتے ہیں چنانچہ خود بھی اپنے متعلق فرماتے ہیں۔

"نعمتِ عظمیٰ بریں ضعیف آنست کہ اورا فاتحیت دادہ اند و فتح دورہ بزعمش
بردست وے کردہ اند" (الجزء اللطیف)

یعنی اس بندۂ ضعیف پر خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ اسے فاتحیت کا خلعت پہنایا گیا ہے اور آنے والے دور کا افتتاح اس کے ہاتھ سے کرایا گیا ہے۔

اُن کے ایک ہمعصر بزرگ حضرت مرزا محمد مظہر جانجاناںؒ شہادت دیتے ہیں کہ:۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ نے (تصوف کا) نیا طریقہ بیان کیا ہے۔ اور وہ خدا شناسی کے راز کھولنے اور علوم کی باریکیاں بیان کرنے میں خاص طرز کے مالک ہیں علوم ظاہری میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ہی شاہ صاحب علمائے ربانی میں سے ہیں۔ محقق صوفیاء میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر ہوں اور جنہوں نے علم کے راز بیان کرنے میں نئی طرز اختیار کی ہو ایسے چند ہی بزرگ گذرے ہیں۔ (کلمات طیبات)

نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں:۔

اگر شاہ ولی اللہ" تاریخ اسلام کے پہلے دور میں ہوتے تو امام الائمہ (اماموں کے امام) اور مجتہدین کے سرتاج شمار ہوتے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ فرماتے ہیں:۔

"ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا۔ لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں جب کے اسلام کا نفس واپسیں تھا، شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا۔ جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ (تاریخ علم الکلام)

دورِ زندگی

آپ کا دور زندگی مغلیہ سلطنت کے دس بادشاہوں کا زمانہ تھا۔ آپ سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ

کی وفات (۱۷۰۷ء) سے چار سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں فوت ہوئے
ان دس بادشاہوں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر ۲۔ بہادر شاہ اوّل ۳۔ معزالدین جہاندار شاہ
۴۔ فرخ سیر ۵۔ رفیع الدرجات ۶۔ رفیع الدولہ
۷۔ محمد شاہ ۸۔ احمد شاہ ۹۔ عالمگیر ثانی
۱۰۔ شاہ عالم ثانی

یہ بڑا افراتفری کا وقت تھا۔ مغلیہ حکومت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ ادھر غیر مسلم قومیں مرہٹے، سکھ وغیرہ سر اٹھا رہی تھیں اور اُدھر یورپی طاقتیں۔ انگریز، فرانسیسی وغیرہ۔ حملہ آور ہو رہی تھیں۔ تاریخ برعظیم میں مسلمانوں کیلئے یہ بڑا نازک دور تھا۔ پرانی بساط اُٹھ رہی تھی اور نیا نظام آرہا تھا ویسے بھی اٹھارھویں صدی عیسوی سے تاریخ عالم میں نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا جس میں مشین کی ایجاد۔ بادشاہت کی جگہ قومی جمہوریتوں کا قیام اور سائنسی علوم کی ترقی سے انقلاب عظیم برپا ہونے والا تھا۔ سوال یہ تھا کہ ان حالات میں اسلام کو کیسے غالب کیا جائے گا اور نئے مسائل کو کیسے حل کیا جائے گا؟ عنایت الٰہی نے اس کا جواب "امام ولی اللہ دہلوی" کی صورت میں پیش کیا اور ان کے ہاتھوں کتاب و سنت اور تاریخ اسلام کے نمونے کے دور۔ خیر القرون کی روشنی میں ایک ایسا فلسفہ مدون فرمایا جو اس نئے دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حالاتِ زندگی

۱۷۰۳ء۔ پیدائش

۱۷۰۸ء۔ پانچ سال کی عمر میں تعلیم کی ابتدا کی۔

۱۷۱۰ء۔ سات سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کر لیا۔

۱۷۱۷ء۔ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔

۱۷۱۸ء۔ پندرہ سال کی عمر میں تمام عقلی و دینی علوم کی تحصیل سے فراغت حاصل کی اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ نقشبندیہ کے اشغالِ تصوف میں مصروف ہو گئے۔

۱۷۱۹ء۔ سولہ برس کی عمر میں والد صاحب فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں مسند تدریس پر بیٹھے۔ (اسی سال سلطان محمد شاہ تخت دہلی پر متمکن ہوا)

۱۷۳۰ء۔ عمر ۲۷ سال۔ بارہ سال مدرسہ رحیمیہ میں علماء کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور دینی و عقلی علوم پڑھاتے رہے۔ ملکی حالات کا بھی نہایت گہری نظر سے مطالعہ کیا پھر فریضہ حج کی بجا آوری کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔

۱۷۳۱ء۔ عمر ۲۸ سال۔ حج سے مشرف ہونے کے بعد مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں قیام کیا شیخ ابو طاہرؒ وغیرہ مشائخ حرمین سے حدیث کی سند لی اور روضہ اقدس کے حصول سے بے شمار فیوضات حاصل کئے۔ جنہیں انہوں نے اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں جمع کر دیا ہے۔ ان ایام میں اسلامی ممالک کا بھی جائزہ لیا یہ دیکھنے کیلئے کہ اپنی انقلابی تحریک کہاں سے شروع کی جائے۔

شب جمعہ ذیقعدہ ۲۱ ۱۱۴۳ھ مطابق ۵ مئی ۱۷۳۱ء مکہ مکرمہ میں ایک الہامی خواب دیکھا جس میں انہیں "قائم الزمان" کے نام سے پکارا گیا۔ یعنی انہیں اس دور میں نظام خیر پیدا کرنے کا واسطہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس خواب میں ان سے فکِّ کُلِّ نظام (تمام بوسیدہ نظاموں کو توڑ دو) کا انقلابی اعلان کرایا گیا۔ اس خواب میں ایک کافر راجہ سے لڑائی کا نقشہ بھی دیکھا جس کا ظہور بعد میں مرہٹوں کے ساتھ جنگ پانی پت سوم (۱۷۶۱ء) کی صورت میں ہوا۔ اسی تاریخ یعنی ۵ مئی ۱۷۳۱ء سے آپ نے اپنی انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی اور فیصلہ کیا انقلابی تحریک دہلی سے شروع کریں گے۔

۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ بروز جمعہ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۷۳۲ء آپ دہلی واپس تشریف لائے

اور مختلف مقامات پر تحریک کی شاخیں قائم کیں۔

۱۷۳۷ء۔ قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔

۱۷۳۸ء۔ فارسی ترجمہ قرآن حکیم بنام ''فتح الرحمن'' مکمل ہوا اور عوام کی تربیت کے لئے قرآن حکیم کا درس جاری کیا۔ اس کے بعد بیشمار کتابیں تصنیف کیں۔

جنوری ۱۷۶۱ء حضرت شاہ صاحب برِ عظیم میں مغلوں کے بعد انقلابی اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔ مرہٹوں کی مخالف اسلام بڑھتی ہوئی طاقت سے اس مقصد کیلئے خطرہ پیدا ہو گیا مرہٹے چاہتے تھے کہ تخت دہلی پر قبضہ کر کے ہندو راج قائم کر دیں اس لئے شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی والی افغانستان کو دعوت جہاد دی۔ اور مقامی امراء کو بھی اپنی فوجی طاقت میدان میں لانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ پانی پت کی تیسری جنگ لڑی گئی، جس میں مرہٹوں کو شکست ہوئی اور ان کا ہندو راج قائم کرنے کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

وفات آپ نے ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۷۶۲ء کو وفات پائی اور تاریخ وفات ''او بود امام اعظم دین'' ہوئی۔

علمی کارنامے، سلسلۂ تصانیف

۱۔ فتح الرحمن۔ ترجمہ فارسی قرآن حکیم مع حواشی۔

۲۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ قرآن حکیم کی تفسیر کے اصول، اس کی معنوی مشکلات دور کرنے کے لئے۔

۳۔ فتح الخبیر۔ قرآن حکیم کے مشکل الفاظ کی تشریح اور حروف مقطعات کی توجیہہ۔ قرآن مجید کے سمجھنے کی راہ میں لفظی مشکلات دور کرنے کے لئے۔

۴۔ المسوّی۔ موطا امام مالک، حدیث کی سب سے پہلی اور درجہ اول کی کتاب کی عربی

میں تشریح۔

۵۔ المصفٰی۔ موطا امام مالک کی فارسی میں تشریح

۶۔ البدور البازغہ شریعت اسلامیہ کا فلسفہ عقلی رنگ میں۔ انسان کی معاشی، معاشرتی، سیاسی اخلاقی اور روحانی زندگی پر سیر حاصل تبصرہ۔

۷۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ شریعت اسلامیہ کا فلسفہ دینی انداز فکر میں انسان کی معاشی، معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور روحانی زندگی پر حکیمانہ تبصرہ۔ (دو جلدیں)

۸۔ خیر کثیر۔ فلسفہ کائنات۔ خدا، انسان اور کائنات کے باہمی ربط پر حکیمانہ بحث۔

۹۔ تفہیمات الٰہیہ۔ تصوف کے متعلق مختلف الہامی افکار کا مجموعہ (۲ جلدیں)

۱۰۔ تاویل الاحادیث۔ سلسلہ انبیاء اور اقوام سابقہ کی نفسی تاریخ (PSYCUOLOGICAL HISTORY) اور اس کا فلسفہ

۱۱۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ اسلامی تاریخ کے نمونے کے دور۔ خلافت راشدہ کی تاریخ اور اس کا فلسفہ۔ قانون سازی اور شورائی حکومت کا مکمل نقشہ۔

۱۲۔ لمعات۔ تصوف کی تاریخ اور اس کا فلسفہ۔

۱۳۔ سطعات۔ تجلیات الٰہیہ اور کائنات میں تدبیر الٰہی کا بیان۔

۱۴۔ الطاف القدس۔ فلسفہ نفسیات انسانیہ اور تصوف کے اصول کی تشریح

۱۵۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ صوفیاء کے "طریقوں" کی تفصیل۔

۱۶۔ القول الجمیل۔ تصوف کے اوراد اور اشغال کا بیان۔

۱۷۔ انفاس العارفین۔ اپنے بزرگوں کے حالات۔

۱۸۔ فیوض الحرمین۔ حرمین الشریفین میں جو روحانی فیوض حاصل ہوئے ان کا بیان۔

فلسفہ ولی اللہی کے تین بڑے موضوع

۱۔ انسان

انسان بحیثیت فرد اور انسان بحیثیت اجتماع۔ اس میں نفسیات، اخلاقیات، تصوف، عمرانیات، معاشیات وغیرہ جملہ علوم انسانیہ پر بحث کی گئی ہے

۲۔ کائنات

اس میں کائنات کی تخلیق اور اس کی تسخیر کے متعلق فلسفہ عالیہ پیش کیا گیا ہے۔ اور اسلام کا تصور کائنات واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کائنات کا خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا تعلق اور ربط ہے۔

۳۔ الٰہیات

اس میں تجلیات الٰہیہ پر بحث کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تجلیات کے ذریعے اس مادی اور غیر مادی کائنات اور عالم انسانیت میں تصرف کر رہا ہے اور کائنات اور انسان کا خدا کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

فلسفہ ولی اللہی کی امتیازی خصوصیات

۱۔ ملوکیت، استبدادیت، برہمنیت اور سرمایہ داری جیسی لعنتوں کا خاتمہ

۲۔ معاشرہ انسانی کو صدق و عدل جیسے قرآنی اصولوں پر تعمیر کرنا۔

۳۔ معاشرے میں متوسط معیار زندگی (رفاہیت متوسطہ) قائم کرنا عیاشی (رفاہیت بالغہ) اور پست معیار زندگی (رفاہیت ناقصہ) کو ختم کرنا، دولت کی ناہموار تقسیم روکنا اور تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی فراہم کرنے کا اسلامی ریاست کو ذمہ دار قرار دینا

۴۔ زمین پر حق ملکیت کے بجائے کاشت کار کو خود کاشت کے لئے بقدر ضرورت زمین پر حق انتفاع دینا۔ جاگیردارانہ مزارعت وغیرہ ختم کرنا۔

۵۔ انسانی تمدن کی چار منزلیں (ارتفاقات) ہیں یعنی:۔

ا۔ دیہاتی زندگی (ارتفاق اول)

ب۔ شہری زندگی (ارتفاق دوم)

ج۔ قومی زندگی (ارتفاق سوم)

د۔ بین الاقوامی زندگی (ارتفاق چہارم)

ان منزلوں کی تفصیلات کی علمی اور اسلامی اصولوں کے مطابق ایسی تشریح کی ہے جس سے نئے دور کے تقاضے کامیابی کے ساتھ پورے کئے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے افکار زمانہ جدید سے بھی آگے معلوم ہوتے ہیں۔

۶۔ اخلاق انسانیہ کو علم کی نہیں بلکہ ماحول کی پیداوار قرار دینا یعنی انسان کی اخلاقی و روحانی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ اس کا معاشی، معاشرتی اور سیاسی ماحول عادلانہ ہو۔ گویا ماحول کی اصلاح انسان کی اخلاقی و روحانی ترقی کے لئے شرط اول کا حکم رکھتی ہے۔

۷۔ اصلاح معاشرہ کے لئے ارتقائی (EVOLUTIONARY) کے بجائے انقلابی (REVOLUTIONARY) طریقہ اختیار کیا جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک واضح فکر متعین کیا جائے۔ پھر اس فکر کی نشر و اشاعت کر کے جماعت پیدا کی جائے اور وہ جماعت ایک خاص پروگرام کے تحت اس فکر کو جائے گیر کرنے کے لئے جدو جہد کرے اور حسب موقع جہاد و قتال سے کام لے۔

۸۔ انسان کی اخلاقی و روحانی ترقی کا انحصار چار اخلاق کے حصول پر ہے جو انسانیت کے بنیادی اخلاق ہیں۔ اور تمام شرائع الٰہیہ کا مقصود یہی چار اخلاق رہے ہیں۔ نیز شریعت اسلامیہ کے

سارے احکام کا مقصود بھی یہی ہیں۔ اور اب ان اخلاق کے حصول کے لئے شریعت اسلامیہ کے احکام موزون ترین ذریعہ ہیں۔ وہ چار اخلاق حسب ذیل ہیں:-

ا۔ طہارت یعنی پاکیزگی اور صفائی اور اس میں بدن لباس اور ماحول کی صفائی اور باطن کی پاکیزگی سب شامل ہیں

ب۔ اخبات یعنی اپنے عجز اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار اور سب سے بڑھ کر اس سے محبت کرنا اور اس کے حکموں پر خوشی سے چلنا۔

ج۔ سماحت یعنی سیر چشمی اور فیاضی۔ دنیا کے سامانوں سے فائدہ اٹھانا لیکن ان کی محبت میں گم نہ ہو جانا۔ نیز جسم کی ادنیٰ خواہشوں پر انسانیت کے اعلیٰ تقاضوں کو غالب رکھنا۔

د۔ عدالت یعنی عدل و اعتدال۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر انصاف کرنا۔ ہر ایک کا حق ادا کرنا ہر ایک کی خدمت کرنا اور زندگی گذارنے میں اعتدال پر قائم رہنا۔

۹۔ انسان کی معاشی و معاشرتی ترقی کیلئے حسب ذیل خصائص انسانیہ کو ترقی دینا ضروری ہے یہ خصائص حیوانات میں نہیں پائے جاتے:-

ا۔ عقل انسانی کا استعمال:۔ انسان عقل سے سوچتا ہے اور سوچ بچار کے نتیجے جمع کرتا ہے۔ اس سے علوم (SCIENCES) پیدا ہوتے ہیں

۲۔ آلات کا استعمال:۔ انسان آلات کا استعمال کرتا ہے اور اس طرح اپنی مشکلات آسان کرتا ہے آلات کے استعمال سے صنعتیں (INDUSTRIES) پیدا ہوتی ہیں۔ اور ایسی مشینیں تیار کی جاتی ہیں جن کی مدد سے تھوڑی محنت اور تھوڑے وقت میں بڑے بڑے نتائج حاصل کئے جاتے ہیں۔

۳۔ اجتماع کا استعمال:۔ انسان بڑے بڑے کام سرانجام دینے اور ملکی نظام چلانے کے لئے دوسروں کو اپنے ساتھ ملا کر اجتماع پیدا کرتا ہے۔

۷۔ ذوقِ جمال یا لطافت پسندی ۔ انسان حیوانات کی طرح محض ضرورت کی چیزوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ
اس کے ساتھ صفائی، لطافت اور خوبصورتی کا بھی خیال رکھتا ہے۔

۸۔ راستی یا رفاہِ عام ۔ حیوان محض اپنے فائدے اور غرض کے لئے کام کرتے ہیں لیکن انسان
ایسے کام بھی کرتا ہے جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

۹۔ مادۂ ایجاد و تقلید ۔ انسان اپنی مشکلات کو آسان کرنے کے لئے عقل سے سوچتا ہے اور آلات و
اختراع کے استعمال سے ایجادات کرتا ہے یا دوسروں کی ایجادات سے فائدہ اٹھاتا ہے

۱۰۔ انسان کی سعادت اس بات میں ہے کہ اس کا روحانی پہلو (ملکیت) اس کے حیوانی
پہلو (بہیمیت) پر غالب رہے اور اس کی حیوانی خواہشات روحانی پہلو کے تابع رہیں۔

۱۱۔ تمام امورِ دینیہ کی صحت کا معیار یہ ہے کہ وہ "نقل" یا علومِ منقولہ یعنی قرآن و حدیث کے مطابق
ہوں اور "عقلِ انسانی" اور "کشفِ صحیح" کی تائید بھی انہیں حاصل ہو اور یہ تینوں (نقل، عقل اور
کشف) ایک دوسرے کی تصدیق و توثیق کریں۔

۱۲۔ قرآن حکیم اسلام کا قانونِ اساسی ہے اور اس کا اعجاز فصاحت و بلاغت کے علاوہ اس کی
"جامعیت" ہے۔ حدیث قرآن ہی سے مستنبط اور اس کی تشریح و تفصیل ہے۔ اس سے الگ نہیں۔ فقہ
قرآن و حدیث دونوں سے مستنبط ہے اور یہ معاشرے کے ارتقاء کے لئے ضروری ہے۔ اس کی
حیثیت اساسی قانون کے مقابلے میں ذیلی قوانین (BY-LAWS) کی ہے۔ تصوف قرآن حکیم
کے تزکیۂ نفس اور تکمیلِ ذات کا تربیتی نصاب ہے۔ یہ بھی معاشرے کی اصلاح کے لئے ناگزیر ہے۔
اس طرح حدیث، فقہ اور تصوف قرآن ہی کی ذیلی شاخیں ہیں اور دین کی اصل صرف قرآن ہے

۱۳۔ تمام کتبِ حدیث میں موطا امام مالک فائق اور مقدم ہے یعنی یہ باقی کتبِ حدیث بخاری،
مسلم وغیرہ کی اصل و اساس ہے اور وہ کتابیں گویا اس کی شرحیں ہیں فقہ کے تمام مذاہب کی اصل
بنیاد بھی موطا امام مالک ہے۔ اس انکشاف کا فائدہ یہ ہے کہ آگے چل کر جب عرب اور غیر عرب

ممالک کے لئے مشترک قانون سازی کی ضرورت ہوگی تو مؤطا امام مالک ہی بنیاد کا کام دے گی۔

۱۴۔ تمام معاشی و معاشرتی امور کی صحت کا معیار یہ ہے کہ وہ حسب ذیل اصولوں کے مطابق ہوں

۱۔ تجربہ صحیح (SCIEINTIFIC EXPERIENCE

۲۔ اخلاق فاضلہ (HIGH MORALITY)

۳۔ رفاہِ عامہ کے اصول (SOCIAL VALUES)

۴۔ حسنِ معاشرت (GOOD BEHAVIOUR)

۵۔ حسنِ مشارکت (SOCIAL CONTRACT)

۶۔ نفاست اور خوبصورتی (DECENCY)

۷۔ تشاور (COUNSEL)

۸۔ تعاون (CO-OPERATION)

۹۔ اشتراک علم اور مال میں بقدر ضرورت (ASSOCIATION IN KNOWLEDGE & WEALTH ACCORDING TO NEED)

۱۵۔ ترقی اموال کے وہ تمام ذرائع جو تعاون اور اشتراک کی روح سے خالی ہوں۔ یا ان میں بظاہر تعاون ہو لیکن ان کی تہ میں تعاون کی موت پوشیدہ ہو اور ان میں انکی رضامندی ہو جس میں جبر پایا جائے وہ اجتماعی زندگی کے اصول کے لحاظ سے باطل اور گناہ ہیں جیسے جوا، سٹہ، سود، رشوت وغیرہ یا مزدور کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے کارخانے کے منافع میں شریک نہ کرنا بلکہ معمولی اجرت دے کر ٹال دینا۔ نیز نفع حاصل کرنے کے تمام ناجائز ذریعے بھی ممنوع ہیں جیسے زیادہ نفع کمانے کی خاطر غلہ وغیرہ روکنا یا دھوکہ دے کر نفع لینا یا ناپ تول میں کمی کرنا وغیرہ۔

۱۶۔ انفرادی ملکیت اس حد تک جائز ہے کہ وہ مفاد عامہ کے خلاف نہ ہو۔ اجتماعی مفادات سے تصادم ہو تو اجتماعی مفادات فائق رہیں گے۔

۱۷۔ معاشرہ انسانی کے لئے بنیادی پیشے چار ہیں:۔

۱۔ زراعت ۲۔ مویشی پالنا ۳۔ صنعت و حرفت اور ۴۔ تجارت۔

البتہ جب حکومت قائم ہوتی ہے تو اسے چلانے کے لئے معاونین کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس وقت حکومت کی ملازمت بھی ایک مستقل پیشہ بن جاتی ہے۔ پیشوں کی تقسیم بھی سوسائٹی میں ضرورت کے مطابق ہونی چاہئے۔ اور ان میں توازن ہونا چاہئے۔ البتہ ایسے پیشے ممنوع ہوں گے جو عیاشی پیدا کرنے والے، اخلاق خراب کرنے والے اور خدا سے غافل کرنے والے ہوں۔

۱۸۔ مسلمان کی زندگی کا مقصد وحید یہ ہے کہ وہ اسلام کے عادلانہ نظام کو معاشرے میں قائم کرے اور اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔ وہ حق کی اشاعت اور اس کا نفاذ اور باطل کو دبانے اور اس کا نفاذ روکنے کے لئے نشر و اشاعت کرتا رہے اور بوقت ضرورت قتال سے بھی کام لے۔ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک یہ سب کام نیکی کے بہترین اعمال شمار ہوتے ہیں۔

۱۹۔ "امامِ" یا "امام" ایک فرد انسانی نہیں بلکہ وہ مرکزی ادارہ ہے جو مختلف طبقات کے درمیان وحدت قائم رکھتا ہے اور اس وحدت سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں ان کے حصول کا اہتمام و انتظام کرتا ہے۔

۲۰۔ ملک کا مرکزی نظام عوام کی خدمت اور فائدے کے لئے ہے۔ نہ کہ عوام اس نظام کے لئے۔ اس لئے کسی قسم کا استبداد جائز نہیں۔ ہر نظام پر مصلحت کلیہ (عام لوگوں کی بھلائی) حاکم ہونی چاہئے۔

۲۱۔ قومی حکومت چلانے کی تین شکلیں ہیں:۔

۱۔ پنچایت۔

۲۔ ایک پیشے کے لوگوں کا اپنے چودھری کے ماتحت رہنا یہ گلڈزم کی شکل ہے۔ اور

۳۔ اجتماع عقلاء و ماہرین خصوصی یعنی پارلیمنٹ

۲۲۔ مجلس شیخوں اور ملازمین حکومت بقدر ضرورت، حکومت کے سربراہ اور کارندے سادہ زندگی بسر کریں عیاشی سے پرہیز کریں

۲۳۔ اگر معاشرہ انسانی میں معاشی عدم توازن پیدا ہو جائے تو اسے قوت کے ذریعے دور کر کے منصفانہ اور عادلانہ اصولوں پر نیا نظام قائم کرنا ضروری ہوگا تاکہ لوگوں کو خدا کی طرف رجوع کرنے کی فرصت اور مہلت مل سکے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بدوی اور ایرانی ملوکیتوں کو ختم کر کے قرآنی نظام اسی نظریے کے تحت قائم کیا گیا تھا۔

۲۴۔ جب قومی حکومتیں قائم ہو جائیں تو پھر بین الاقوامی نظام کی ضرورت پیش آتی ہے جو مختلف ریاستوں کے درمیان نظم و ضبط رکھ سکے۔ اور ان کے جھگڑے مٹا سکے۔ یہ بین الاقوامی نظام ایک طرف خدا شناسی کے اصول پر عمل کرے اور دوسری طرف صحیح معاشی اصول پر قائم ہو۔ قرآن حکیم ایسے ہی عادلانہ نظام کا داعی ہے۔ اور قرآنی اصولوں پر قائم ہونے والی جماعت کا نصب العین اسی قسم کے بین الاقوامی نظام کی تعمیر ہے۔ اس کی شکل یہ ہوگی کہ ہر قوم یہ نظام اپنے اپنے اندر نافذ کر کے ایک بین الاقوامی مرکز کے ساتھ وابستہ ہو جائے گی۔ جس میں قرآن حق کا عادلانہ قانون نافذ ہوگا۔

۲۵۔ تمام مادی اشیاء کی اصل مادہ ہے اور مادہ کی اصل قوت مثالی ہے جو غیر مادی چیز ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں یعنی قوت مثالی مجسم ہو کر مادہ ہو جاتی ہے اور مادہ پھٹ کر پھر قوت مثالیہ بن جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مادہ اور قوت (MATTER & ENERGY) اصل میں ایک ہیں۔

بلکہ امام صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے نزدیک زمان، مکان اور مادہ (TIME, SPACE,MATTER) ایک ہی چیز ہے۔

۲۶۔ مادی اشیاء کے علاوہ کائنات میں غیر مادی قوتیں بھی ہیں۔ ان تمام مادی اشیاء اور غیر مادی قوتوں کی اصل ایک ہی ہے یا دوسرے لفظوں میں مادہ اور روح کی اصل ایک ہے۔ اسے امام صاحب وحدت الوجود کہتے ہیں یعنی تمام مادی و غیر مادی موجودات کا مرکز اور منبع ایک ماننا، باقی تمام حکماء مادہ اور روح کو الگ مانتے رہے ہیں اور انھیں ایک اصل سے نکلا ہوا ثابت نہیں کر سکے یہ وہ حقیقت ہے جسکا انکشاف افلاطون اور ارسطو سے لیکر حضرت امام صاحب سے پہلے تک کسی نے نہیں کیا تھا۔

۲۷۔ ذات واجب الوجود جسمیت سے منزہ اور پاک ہے انسانی حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے پھر ہم اس ذات سے کیسے تعلق پیدا کر سکتے ہیں؟ اسے کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ اور اسے کیسے سن سکتے ہیں؟ امام صاحب کے تصوف کا کمال یہ ہے۔ کہ وہ یہ باتیں مسئلہ تجلی کے ذریعے سمجھا دیتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ تجلی الٰہی ایک طرح سے ذات الٰہی کا عین ہوتی ہے۔ جب ہم تجلی سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ تو ہمارا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ ہم اللہ تک پہنچ گئے۔ چونکہ ہماری عقل اور ہمارے حواس باطنہ اس تجلی کا ادراک کر سکتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا اس کی بات سنی انبیاء اسی طریقے سے تعلق باللہ کی تشریح کرتے ہیں۔ وہ اپنے پیروؤں کو بھی یقین دلاتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور ان کے طریقے پر اپنی ذات کی تکمیل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ بھی سکتا ہے اور سن بھی سکتا ہے۔

(تحریر جناب محمد مقبول عالم مرحوم)

عمل! خُدارا عمل!

غافل یہ دنیا دارالعمل ہے۔ شکوہ، شکایت، آہ، فریاد کو یہاں کون سنتا ہے۔ مرنے کی تڑپ پیدا کرو تو زندہ رہ سکتے ہو۔ جوش کو چھوڑ و ہوش سے کام لو۔ گل کی طرح خاموش رہ کر مصروف عمل ہو جاؤ۔ بلبل کی طرح محوِ نالہ و فغاں نہ رہ۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہم نہایت ہی ابتلاء و امتحان کے وقت پیدا ہوئے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ جو آج اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی ہستی کو کھو دے، اور بدقسمت ہے وہ جو آج ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے۔ اگر جماعت موجود نہیں تو آؤ آج ہی بنالیں۔ اگر پہلے غافل رہے تو آج ہوشیار ہو جائیں۔ جماعت بنانے والا کام شروع کرنے والا ہمارا ہی وجود کیوں نہ ہو؟ یہ سعادت غیر کے حصہ میں کیوں آئے؟ ایک اولو العزم انسان نے اپنے لئے سلطنت پیدا کی۔ کیا ہم کام کے لئے پریشانیوں میں الجھ کر رہ جائیں گے؟

کام کرنے کے لئے راہیں کھلی ہیں، خلوص و تڑپ کی ضرورت ہے چولہے میں آگ ہو تو روٹی پکائی جاسکتی ہے سالن تیار کیا جاسکتا ہے اور پانی گرم ہو سکتا ہے۔ وہ کسی کی رہنمائی کا شرمندۂ احسان نہیں رہتا۔ خدارا! زبان بند کر، ہاتھ، پاؤں کو حرکت میں لا، گھڑیاں نازک ہیں، اور دنیا تنگ ہو رہی ہے۔ عمل! خدارا عمل!

یہ گھڑی محشر کی ہے کہ تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر، دفتر میں ہے

مفکر احرار چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

مرسلہ: شاہد شوکت (فتنہ ارتداد اور سیاسی قلابازیاں صفحہ ۶۰)

نظریہ بقاء اصلح

جدید دنیا کے فلسفیوں نے عروج و بقا کے لئے بقائے اصلح کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس کا ثبوت بعض قدیم مذاہب اور نظریات میں بھی ملتا ہے لیکن "ڈارون" نے نہایت واضح دلائل پیش کر کے اس کو تمام عملی شعبوں پر حاوی بنا دیا ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں انہی کے نام کے ساتھ اس کی شہرت ہو گئی ہے۔

یہ نظریہ ایک حد تک اب فرسودہ ہو چکا ہے۔ لیکن ابھی خلاف نظریات کو نہ تو عمومی حیثیت حاصل ہوئی ہے اور نہ ہی علوم و فنون کا کوئی شعبہ اس کی زد سے محفوظ ہو سکا ہے۔ اس لئے قومی و جماعتی زندگی کی حد تک اس کی تشریح کر دینی ضروری ہے۔

نظریہ بقاء اصلح کی اجمالی تشریح:۔ موقع کی مناسبت سے اس سلسلہ کی تین اصطلاحیں قابل ذکر ہیں۔

۱۔ تنازع للبقاء۔ زندہ اور باقی رہنے کے لئے باہمی کشمکش۔

۲۔ انتخاب طبعی۔ جو چیزیں باقی رہنے کے لائق ہیں طبعی طور پر قیام و بقاء کے لئے انہی کا انتخاب۔

۳۔ بقاء اصلح:۔ وہی چیزیں باقی رہتی ہیں جن میں باقی رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

ڈارون نے "بقائے اصلح" کی تدبیر کو ہر شے کی ارتقاء کا ذریعہ قرار دیا ہے اس طرح کہ نباتات،

حیوانات اور انسان سب کے سب زندگی کی کم ترقی یافتہ شکلوں سے عالم وجود میں آتے ہیں اور انواع میں باہمی امتیاز ان کی بقاء سے ہوتا ہے اور بقاء ان انواع کو حاصل ہوتا ہے جن کے قویٰ اس ماحول کے مناسب ہوتے ہیں جن میں پیدا واقع ہو گئے ہیں۔

اس لحاظ سے ہر ایک کشمکش حیات میں مصروف ہے اس کشمکش میں جنہیں مدافعت کے مناسب آلات میسر آتے ہیں وہ باقی رہتے ہیں اور جو غیر موزوں و ناقابل ہوتے ہیں۔ وہ محو ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ نظریہ کی بناء پر نہ صرف یہ کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار پاتا ہے بلکہ انسان ہر حیثیت سے اپنی بقاء کے لئے ماحول کے مناسب بننے پر ہی مجبور ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں عروج و بقاء کو جانچنے کیلئے ''انفع'' کا معیار مقرر ہے۔ اس طرح کہ صلاحیت افادیت کے پیمانے سے ناپی جاتی ہے۔ خلق خدا کیلئے جو قوم اپنی صلاحیت و کردار کی بناء پر زیادہ نفع مند ثابت ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور جو صلاحیت یا کردار کے نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر نافع بن جاتی ہے وہ چھانٹ دی جاتی ہے۔ ارتقاء کا تصور یہاں بھی ہے لیکن وہ ''ارتقاء'' جسم انسانی تک محدود ہے اور اس ارتقاء کی ابتداء جسم انسانی سے ہوتی ہے۔ پھر روحانی ارتقاء کا لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس میں انسان خدائی اخلاق اپنے اندر پیدا کرتا ہے خدائی صفات کا مظہر بنتا ہے اور پھر خدا سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ارتقاء کی غیر محدود شاہراہ اور بلندی کا انتہائی مقام ہے۔

بین الاقوامی میدان میں ''اصلح قوم'' (بمعنی اتقی و انفع) کے قیام و بقاء کی کیا صورت ہوتی ہے؟ قرآن حکیم کی روشنی میں اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

فطرت کے تقاضہ کے مطابق مادی و معنوی ہر گوشہ میں بناؤ و استواری اور اصلاح و تربیت کا کام جاری رہنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ نشوو ارتقاء کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کا نظام چل سکتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ غیر صالح (تخریبی سرگرمیوں میں

مصروف قوم) کو ہٹا کر صالح (بناؤ سنوار کرنے والی قوم) کو آگے بڑھایا جائے۔
اس مفہوم کو ثابت کرنے والی چند آیتیں ہیں۔
ا۔ اگر اللہ ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (دنیا) خراب ہو جاتی لیکن اللہ سب عالموں کے لئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۱)
۲۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض کے ہاتھوں بعض کی مدافعت نہ کراتا رہتا تو کسی قوم کی عبادت گاہیں محفوظ نہ رہتیں۔ خانقاہیں، گرجے، دوسری قسم کی عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب گرادی جائیں اور بالآخر امن و امان سب خاک میں مل جاتا۔ (سورۃ الحج آیت ۴۰)
۳۔ اگر حق لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرتا تو زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہو جاتا۔ (سورۃ المومنون آیت ۷۱)

ان آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قوموں کی باہمی کشاکش اور پھر ایک کے ذریعہ دوسرے کی مدافعت ہی کی بدولت موجودہ نظام قائم ہے اور نشوو ارتقاء کا سلسلہ جاری ہے اب سوال یہ ہے کہ آنے والی قوم کس قسم کی ہوتی ہے؟ درج ذیل آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والی قوم خلق خدا کو نفع رسانی میں جانے والی قوم سے بہتر ہوتی ہے۔

اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل کر لے آئے گا پھر وہ تم جیسی نہ ہوگی۔ (سورۃ محمد آیت ۳۸)

غیر صالح کے مقابلہ میں صالح قوم آئے گی اور وہ حق و عدالت اور تعمیری نشوو ارتقاء کا کام جاری رکھے گی۔

"قرآن حکیم نے قیام و بقاء کیلئے بنیادی حیثیت سے دو چیزیں ضروری قرار دی ہیں۔ اور یہ دونوں انسانی فطرت و مقام کے مطابق ہیں (۱) اخلاقیت کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور (۲) مادیت

کے ارتقاء کا سلسلہ ان دونوں میں کسی ایک سے بھی غفلت برتی گئی تو بین الاقوامی میدان میں "زندہ اصلح قوم" کہلانے کی مستحق ہوگی اور نہ ہی اسکے قیام و بقاء کی کوئی ضمانت ہوگی۔

یعنی اگر صرف مادیت کی طرف توجہ کی گئی اور اس کے ساتھ بلند تصورات و اخلاقی اقدار کی تنظیم نہ ہوئی تو آگے چل کر یہی مادیت غیر مفید بلکہ تباہ کن بن جائیگی۔ قوموں کی تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جنہوں نے ابتداء میں چند اخلاقی تبدیلیاں کر کے اقتدار حاصل کر لیا۔ لیکن بعد میں مادیت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر تباہ و برباد ہوئیں۔

اسی طرح اگر بلند تصورات و اخلاقی اقدار کے ساتھ مادیت کا ارتقاء نہ جاری رہا تو اس سے نہ کوئی مضبوط و پائیدار کلچر پیدا ہوگا اور نہ ہی اس کے بقاء کی کوئی ضمانت حاصل ہوگی۔ تاریخ میں ایسی قوموں کی مثالیں بھی موجود ہیں کہ قوت و سلطنت چھن جانے کے بعد جب مادی ارتقاء کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ان کا علم اور تہذیب و تمدن وغیرہ سب رخصت ہو گئے اور بالآخر رفتہ رفتہ وہ قومیں بھی ختم ہو گئیں۔

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن کے قیام و بقاء کے لئے اخلاقیات کی اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم اور مادیات کے ارتقاء ہوتے رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے

جہاں تک ہو سکے قوت و طاقت کے سامان پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے تیار رہو اور اس تیاری سے تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو گے اور ان لوگوں پر بھی جن کی تمھیں خبر نہیں لیکن اللہ انھیں جانتا ہے۔ (سورۃ الانفال آیت ۶۰)

آیت میں قوت و طاقت کے سامان سے ہر وقت لیس رہنے کا حکم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں مادیت کے بغیر کام چل سکے لفظ "من قوۃ" کی عمومیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں مادی ارتقاء ہوتا رہنا ضروری ہے اور اس ارتقاء کا ساتھ دیئے بغیر کوئی قوم اپنے کو باقی نہیں رکھ سکتی ہے۔

بعد کی آیتوں میں چند اخلاقی اوصاف گنائے گئے ہیں جو زندگی کو منظم کرنیوالے اور مادی ترقی کو انسانیت کیلئے مفید بنانے والے ہیں مثلاً (۱) ایمان و یقین (۲) ایثار و قربانی (۳) اعتماد و توکل (۴) تائید غیبی کی امید (۵) محبت وغیرہ۔ تنظیم اخلاق سے متعلق دو آیتیں یہ ہیں۔

(۱) اے ایمان والو اللہ کے لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف سے گواہی دینے والے ہو جاؤ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات کیلئے آمادہ نہ کرے کہ اس کے ساتھ بے انصافی کرو ہر حال میں انصاف کرو یہی تقویٰ سے لگتی بات ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت ۸)

(۲) اے ایمان والو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہنے والے اور خدا لگتی گواہی دینے والے ہو جاؤ اگر چہ یہ گواہی اپنے نفس یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو تمہیں اسکی رعایت کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ سب سے بڑھ کر انکی پرداخت کرنے والا ہے (کہیں) انکی خاطر تم اپنی خواہش کی اتباع کر کے حق و انصاف سے انحراف نہ کر جاؤ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۳۵)

حاصل یہ کہ اخلاق کی ایسے اعلیٰ پیمانہ پر تنظیم ہونی چاہئے کہ اس کے نفاذ میں کسی گروہ کی دشمنی یا کسی عزیز سے عزیز ترین کی جانبداری حتی کہ اپنی ذات کی رعایت کو بھی دخل نہ ہو قرآن حکیم نے قومی و جماعتی زندگی میں "عدل اور عدالت" پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو تمام محاسن اعمال کی بنیاد اور قومی اخلاق کا خلاصہ یہی خصلت ہے۔

ذیل میں اسکی تشریح کی جاتی ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ قومی زندگی میں اس کا کیا مقام ہے اور قوم کو "اصلح" بنانے میں اسے کس قدر دخل ہے؟

امام غزالیؒ نے "عدل" کو مجموعہ فضائل قرار دیتے ہوئے یہ تعریف کی ہے "قوت عقلی اور قوت شہوانی کی ضروری ترتیب اور پھر اس کے مطابق ان قوتوں کے وجود پذیر ہونے کا نام "عدل" ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ "عدل مجموعہ فضائل کا نام ہے فضائل کے تینوں اصول (عفت، حکمت،

شجاعت) کے فروغ خود عدل کے فروع ہیں۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۴۸)

حضرت شاہ ولی اللہ نے عدالت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے "عدالت" ایک ملکہ (صلاحیت) کا نام ہے جس سے ایسے اعمال وافعال صادر ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ملکی و قومی انتظام کا سلسلہ قیام پذیر ہوتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۹۸)

شاہ صاحب کے نزدیک عدالت ایک ملکہ ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد فکری و عملی دونوں قوتیں ٹھیک ٹھیک استعمال ہونے لگتی ہیں۔ اور حقوق و فرائض کی ادائیگی میں سہولت ہوتی ہے۔

قومی اور جماعتی عدل میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ہر فرد عدل کے قائم کرنے میں اپنی ڈیوٹی پوری کرے اور عدل کو بروئے کار لانے کیلئے جن جن اعمال وافعال کی ضرورت ہے۔ ہر فرد اپنی طاقت بھر انہیں انجام دے۔ عدل کے بروئے کار آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے اپنے محل اور اپنی حدود کے اندر ہو۔ ہر شخص اپنا حق پائے اور بغیر کسی کمی کے دوسرے کا حق ادا کرے۔

افلاطون کے نزدیک عدالت کا اصلی جوہر روحانی و داخلی ہے یعنی انسان کی اندرونی و روحانی زندگی اتنی منظم ہو کہ ہر شخص اپنا کام کرے اور دوسرے کے کام میں دخل نہ دے۔ (تاریخ اخلاق ص ۳۳)

"آر۔اے۔پی روجرس" کہتے ہیں۔

"چار فضائل اصلیہ حکمت، شجاعت، اعتدال اور عدالت میں عدالت سب سے بلند پایہ ہے یہ تمام فضائل کا اتمام اور سرتاج ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو باقی اپنی غایت کو کھو بیٹھیں۔"

"پروفیسر جان ڈیوی" اور "پروفیسر جیمس ایچ ٹفٹس" نے عدالت کے یہ معنی بیان کئے ہیں۔ "عدالت کا لفظ جب بہت ہی وسیع معنی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس سے صداقت شعاری، درست کرداری اور راستبازی مراد ہوتی ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے عدالت اخلاق کا ماحصل ہے

یہ نیکی کی ایک قسم نہیں ہے۔ بلکہ عین نیکی ہے۔ اور عادلانہ فعل ہی واجب العمل فعل ہے۔
یہی شئے انصاف پسندی۔ دادگری، ناطرفداری اور دیانتداری کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور عدالت کے سب سے محدود معنی وہ ہیں جس کی رو سے عدالت اور قانون کے ذریعہ حقوق کی حمایت ہوتی ہے" (اخلاقیات حصہ دوم ص ۳۳۲)

مذکورہ تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل وعدالت کے مفہوم کی وسعت و گہرائی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور زندگی کی روح رواں یہی خصلت ہے۔ دنیا کی جو قوم جس حد تک اس خصلت کو اپنائے گی اسی لحاظ سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں "اصلح" قرار دی جائے گی اور قیام وبقاء کی مستحق ہوگی۔ (از حضرت مولانا محمد تقی امینی)

فرد و جماعت

سورۃ فاتحہ میں جو قومی دعا مسلمانوں کو سکھلائی گئی ہے اس میں متکلم واحد نہیں ہے۔ بلکہ جمع! حالانکہ وہ فرداً فرداً ہر مومن کی زبان سے نکلنے والی تھی "اھدنا الصراط المستقیم" فرمایا۔ اھدنی نہیں کہا گیا۔ یہ اس لیے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں ہے۔ ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لیے ہے تاکہ ان کے اجتماع وتالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو اور اسی لیے دعا میں (جو) کہ حاصل وخلاصہ قرآن وعصارہ اسلام ہے متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا، اور اسی لیے مسلمانوں کی باہمی ملاقات کے وقت جو امتیازی دعا سکھلائی گئی وہ بھی بصیغہ جمع آئی اگرچہ مخاطب واحد ہو یعنی السلام علیکم۔ السلام علیک نہیں قرار دیا گیا۔

مولانا آزاد قدس سرہ

خانقاہ عالیہ رائے پور ...... سلسلہ بسلسلہ

یہ خطۂ ارضی جس کو تاریخ کی کتابوں میں برصغیر لکھا جاتا ہے اور حقیقت میں کئی براعظموں سے زیادہ وسعت و آبادی رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ایک منفرد و ممتاز حیثیت کا مالک ہے کہ یہاں غیر مسلم اکثریت کے باوجود مسلمانوں کا ایک طویل عرصہ غلبہ و اقتدار رہا، اور ان کے عہد نے اس برعظیم پر انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ پھر سونے پہ سہاگہ کہ اس برعظیم میں ایسا جلیل القدر سلسلہ فکر و تربیت وجود میں آیا کہ اس کی ہر کڑی اور حلقہ اپنی جگہ پر ایک مستقل تشخص کا مالک بھی ہے۔ یہ سلسلۃ الذہب، ولی اللّٰہی سلسلہ کہلاتا ہے۔ جو عہد حاضر کی ایک عبقری شخصیت امام شاہ ولی اللہ (1763-1703) کی طرف نسبت رکھتا ہے۔

یوں تو اس شخصیت کے اس دار فانی سے رحلت کو ڈھائی سو سال ہونے کو ہیں، مگر اس دور زوال جو عالمگیر کی وفات سے شروع ہو کر اکیسویں صدی میں داخل ہو گیا ہے، میں ان کی فکر نے اس خطہ میں ہی نہیں بلکہ اس کے گرد و پیش میں آزادی و حریت کے چراغ روشن کیے ہیں اور یہ تاثر محض کسی عقیدت پر ہی نہیں بلکہ اس کا اعتراف ان حلقوں میں بھی کیا گیا جو شاہ صاحب سے کئی اہم امور میں اختلاف رکھتے ہیں بلکہ مسلک اہل سنت سے جداگانہ راہ کے داعی ہیں۔ پڑوسی ملک جس کا سرکاری نام "اسلامی جمہوریہ ایران" ہے کہ موجودہ رہبر جناب علی خامنائی کا یہ اعتراف ریکارڈ پر موجود ہے جو انہوں نے بحیثیت صدر مملکت ایک عالمی کانفرنس میں کہا کہ "اس خطہ میں آزادی و حریت کی پہلی قندیل شاہ عبد العزیز اور سید احمد شہید نے جلائی اور بعد میں ایرانی علما نے اس کی روشنی میں استعمار کے خلاف جد و جہد کا آغاز کیا"۔

ولی اللّٰہی سلسلہ کے علماء حق اور مشائخ عظام نے دور زوال میں دین اسلام کے فکری و عملی پہلوؤں پر جس جانفشانی سے امت مسلمہ اور اس خطہ کے باسیوں کی رہنمائی کر کے اس برعظیم کی لغت سے دین کو خارج ہونے سے بچایا ہے چنانچہ دنیا کے دیگر ممالک میں مذہب سے منسوب طبقہ، ظلم پیشہ طبقات کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے مگر برعظیم کے علماء حق و مشائخ حقیقت، ستم گر

طاقتوں سے نبرد آزما نظر آتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ ان میں حالات حاضرہ کو سمجھنے اور اس کے تجزیہ کی بے پناہ صلاحیت نے دنیا کے دانشوروں کو چونکا کے رکھ دیا ہے۔ حتیٰ کہ بالشویکی انقلاب کے آغاز میں جب پوری دنیا یا تو اس سے سراسیمہ تھی یا اس کے سحر میں گرفتار تھی، اس ولی اللٰہی سلسلہ کی ہی ایک دانا و بینا شخصیت ۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے ہی بالشویکیوں کو دین اسلام کی روشن حقیقت سے نہ صرف باخوف لومۃ لائم آگاہ کیا بلکہ ان کو دفاعی اور معذرت خواہانہ رویہ اپنانے پر مجبور کر دیا۔

اس ولی اللٰہی سلسلہ کی برعظیم کے خطہ اور عوام کیلئے خدمات کے اتنے متنوع پہلو ہیں کہ ہر پہلو اپنی جگہ پر ایک مستقل موضوع ہے حتیٰ کہ اس سلسلہ نے خانقاہ جیسی روحانی مرکزیت کو بھی ایسی تربیت کی آماجگاہ بنادیا کہ ذکر خداوندی کی فضاؤں میں شعور و آگہی کے شگوفے کھلنے لگے اور آزادی و حریت کے باغ سرسبز ہونے لگے اور یہ ولی اللٰہی خانقاہوں کا ہی امتیاز ہے کہ ان میں روحانیت و سماجیات ایک دوسرے سے بغل گیر نظر آتی ہیں۔

ان خانقاہوں میں سب سے نمایاں کردار خانقاہ عالیہ رائے پور (ضلع سہارنپور) کا ہے، جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے جانشین حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے حوالہ سے اپنی تاریخی شناخت رکھتی ہے۔ حضرت گنگوہی کی شخصیت اہل فکر و نظر کے ہاں شریعت طریقت و سیاست کے حسین گلدستہ کی حیثیت رکھتی ہے، آپ نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی پرکشش اور جاذب قلب و بصیرت رہنمائی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی فکری، قلبی و عملی رفاقت میں وہ کردار ادا کیا کہ دین حق کی عصری پہچان قرار پائے۔ حضرت گنگوہیؒ کی ہی شخصیت تھی جنہوں نے روح عصر کو بھانپتے ہوئے انگریز استعمار کے مقابلہ میں ہندو اکثریت سے تعاون لینے کی حکمت عملی پر صاد کیا اور یوں اپنی سیاسی بصیرت سے اہل ہند کی رہنمائی کی اور یہی سیاسی بصیرت، روحانی تربیت کے ساتھ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو منتقل ہوئی۔ چنانچہ آپ نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی رفاقت و معیت میں اس تحریک آزادی کا احیاء کیا جو تاریخ کے صفحات پر تحریک ریشمی رومال کے نام سے امر ہوگئی۔ اس تحریک کا دیوبند کے بعد سب سے اہم مرکز رائے پور تھا، اور یہی سبب ہے کہ حضرت شیخ الہند کے سفر حجاز کے بعد تمام معاملات رائے پور

میں ہی طے ہونے لگے۔

خانقاہ عالیہ رائے پور نے جہاں اعلیٰ سطح پر سیاسی امور میں رہنمائی کا کردار ادا کیا، وہیں اس نے عوامی سطح پر دینی شعور کے حوالے سے دور رس قدم اٹھائے، چنانچہ رائے پور اور اس کے گرد و نواح میں مکاتب کا سلسلہ قائم ہوا، جہاں مروجہ انداز سے برعکس قرآنی تلاوت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ بنیادی دینی تعلیم اور سماجی ضروریات کی تعلیم کو بھی شامل کیا گیا جو درحقیقت انگریز کی اس حکمت عملی کا جواب تھا جس کے تحت یہاں کے عوام کو ناخواندہ اور جاہل بنا دیا گیا تھا۔ ان مکاتب نے علم و شعور کی شمعیں روشن کیں اور یہیں سے قومی و ملی تعلیمی اداروں کو وہ افراد مہیا ہوئے جنہوں نے بالآخر انگریز کو یہاں سے چلتا کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

اسی کے ساتھ خانقاہ عالیہ نے سماجی کردار ادا کرتے ہوئے بہت سی ایسی رسوم کا قلع قمع کیا جو مسلمانوں کی زندگیوں کو اجیرن بنائے ہوئے تھیں۔ خاص طور پر خواتین کے حقوق کے شعور کے حوالے سے اس خانقاہ نے بڑی سنجیدگی سے کام کیا۔ چنانچہ عقد بیوگان کا اجراء کیا گیا۔ یوں بیواؤں کو ایک افسردہ اور پسماندہ طرز زندگی سے نکال کر ان کو حیات پرور ماحول فراہم کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی دیگر عائلی معاملات کو جاہلانہ انداز سے دیکھنے اور پرکھنے کی دیگر روایات کا انسداد بھی اس خانقاہ کے منشور میں بھی شامل رہا ہے۔

الغرض خانقاہ کا یہ تصور کہ وہاں صرف ورد و منتر کا دور دورہ ہوتا ہے۔ خانقاہ عالیہ رائے پور نے بدل کر رکھ دیا، یوں خانقاہی سلسلہ میں اس نے اپنے دور میں ایک بہت بڑا انقلاب برپا کر دیا کہ وہاں ذکر خداوندی کا حلقہ بھی تھا، مراقبہ کا ماحول بھی تھا، فکر و دانش کی مجلس بھی تھی، فروغ علم و شعور کی تحریک بھی تھی، سماجی جکڑ بندیوں کے خلاف حکمت عملی بھی تھی، سیاسی جبر کے خلاف مشاورت بھی تھی، بین الاقوامی حالات پر نظر بھی تھی، قومی معاملات میں رہنمائی بھی تھی اور یہی اس خانقاہ کی حقیقی پہچان بھی ہے کہ یہاں انسانی قلوب کے زنگ اتارے جاتے ہیں، عقل و دانش کے قفل توڑے جاتے ہیں، نگاہ و بصیرت پر پڑے پردے چاک کئے جاتے ہیں اور حواس و اعضاء پر چھائے ہوئے بے عملی و بے کاری کی بیخ کنی کی جاتی ہے۔

چنانچہ خانقاہ عالیہ رائے پور کے دوسرے صدر نشین حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی

سوانح حیات اور روا ئیدادِ مجالس کا مطالعہ کیجئے تو فکر و بصیرت کا فرد افروز سدا بہار حالات و واقعات کی ایسی نقاب کشائی کرتا نظر آتا ہے کہ آج کا کوئی مردِ سیاست بھی اس سے خوشہ چینی کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت رائے پوری نے "ان الدین عند الله الاسلام" کے محکم قرآنی اصول کے تحت سیاست و طریقت کو اس طرح ہم دوش بنا دیا کہ صاحبِ طریقت کیلئے سیاسی بصیرت سے مفر نہیں اور صاحبِ سیاست کیلئے طریقت کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

حضرت رائے پوریؒ نے اپنے شیخ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے عوامی دینی شعور میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا۔ چنانچہ جیسے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے پر زور اصرار پر حضرت شیخ الہند کا ترجمۂ قرآن حکیم منصۂ شہود پر آیا اور ان کے متوجہ کرنے سے حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی مقبولِ عام کتاب "تعلیم الاسلام" وجود میں آئی تھی اسی طرح حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے ارشاد پر لکھی جانے والی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی مشہور کتاب "حکایاتِ صحابہ" سمیت کئی اردو کتب عوام کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بن رہی ہیں۔

اسی اسلوب پر خانقاہ عالیہ رائے پور کے تیسرے صدر نشین حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری نے اپنے اکابر کے مشن کو آگے بڑھایا۔ دینی مدارس کی سرپرستی کے ساتھ سیاسی تحریکات کی رہنمائی بھی فرمائی۔ آپ کے ہاں ہی سرگودھا میں جمعیۃ طلباء اسلام کا وہ مشہورِ زمانہ منشور تیار ہوا جس نے 1970ء میں پسے ہوئے طبقوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اس سال ہونے والے قومی انتخابات میں جمعیۃ علماء اسلام نے پاکستان پیپلز پارٹی کے بعد سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے۔ افسوس کہ اس منشور کی راہ پر چلنے کی بجائے جب مصلحت پسندی کی راہ اپنائی گئی تو پھر صورتحال ناگفتہ بہ ہوگئی۔

اس وقت خانقاہ عالیہ رائے پور اپنے چوتھے صدر نشین حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی کی رہنمائی میں شریعت، طریقت اور سیاست کے مسلمہ دینی شعبوں میں اپنی بساط کے مطابق اپنا بنیادی کردار ادا کر رہی ہے۔ چنانچہ اس وقت دینی فہم و شعور کے حوالہ سے چار سالہ نظام المدارس کورس، ایک سالہ عبیداللہ سندھیؒ کورس، تین سالہ شیخ الہندؒ کورس، سالانہ چالیس روزہ دورہ تفسیر قرآن کے علاوہ تربیتی ورکشاپس، سیمینارز کے پروگرام زیرِ عمل ہیں۔ ان کورسز کا

بنیادی مقصد ولی اللہی علماء حق کے افکار و کردار پر تعلیم و تربیت مہیا کرنا ہے۔

اس کے علاوہ حلقہ ہا ئے ذکر و مراقبہ، ملفوظات صوفیاء اور مطالعہ کتب تصوف کے حوالہ سے مجالس کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ جس سے سینکڑوں افراد کو روحانی جلا مل رہی ہے۔

مزید برآں صوفیاء کے طرز عمل کے مطابق اسفار کا طویل اور مسلسل عمل بھی مخلوق خدا کی روحانی، علمی، فکری و سماجی تربیت کا ذریعہ بن رہا ہے۔

حضرت مولانا راے پوری مدظلہ کا بنیادی کام نوجوانوں کو دین حق سے روشناس کرانا اور ولی اللہی سلسلہ کے اہل حق کا تعارف کرانا ہے تاکہ آج کا نوجوان مغرب کے چکاچوند مرعوب کرنے والے ماحول سے نکل کر بصیرت و شعور کے ساتھ دین حق سے منسلک ہو۔ چنانچہ عصری تعلیمی اداروں میں ان کے پروگرام باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ ملک کی کئی یونیورسٹیوں اور کالجز میں ولی اللہی مشن کے حوالہ سے کئی سیمینارز سے خطاب کر چکے ہیں۔ جس کے نتیجے میں نوجوانوں میں علماء حق کی خدمات و افکار کے سلسلہ میں دلچسپی روز افزوں ہے اور اسی کے ساتھ ان کی تربیت میں علماء کی ایک ایسی کھیپ بھی تیار ہو رہی ہے جو مشہور دینی مدارس سے فراغت کے بعد ان کی نگرانی میں مصروف عمل ہے۔ اللھم زد فزد۔

(سعید اعوان)

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و قیمت	مفتی عبدالخالق آزاد
اجتماعی مسائل کا ولی اللّٰہی حل	جناب مقبول عالم (بی اے)
شعوری تقاضے	مولانا شوکت اللہ انصاری
جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود الحسن
اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
ولی اللّٰہی تحریک	مولانا سید محمد میاںؒ
امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات	مولانا سید محمد میاں
نظام کیا ہے؟	مفتی عبدالخالق آزاد
فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
عبادت و خلافت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
حضرت مولانا محمد الیاس کا تصور دین	مفتی سعید الرحمٰن
غلبہ دین اور عبادات	چوہدری افضل حق مرحوم
ثناء خداوندی	چوہدری افضل حق مرحوم
جدوجہد آزادی کا راہنما ادارہ	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
دینی تمدن کی تشکیل نو	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
استعماری مظالم اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ
شریعت، طریقت اور سیاست	مولانا محمد الیاس دہلویؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
قرآنی دعوت انقلاب	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
دین اور حکومت	مولانا سید سلیمان ندوی
تبدیلی نظام کا ولی اللّٰہی نظریہ	مفتی عبدالخالق آزاد